باب دوئم

اعمال

عقیدہ کا جامع مفہوم آپ نے سمجھ لیا۔عقیدہ ایک بنیاد ہے اور عمل اس پر ایک عمارت ہے۔عمل اس وقت تک اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوتا جب تک عقیدہ درست نہ ہو۔ایمان یا عقیدہ ایک درخت کی مثل ہیں اور نیک عمل اس کے پھل۔ عقیدہ ایک سیڑھی ہے جس کے بغیر عمل صالح کی چھت پر نہیں چڑھا جا سکتا۔بعض کفار بھی خدا کو واحد مانتے تھے مگر خدا کے رسول اور اس کے فرمانوں کو درست نہ سمجھتے تھے اس لیے گمراہ ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام کو پسند فرمایا۔ جو آدمی اسلام نہ لائے اس کو دنیاوی فوائد، دولت اور اولاد وغیرہ تو مل جائیں گے مگر اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ یہ مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ دنیا میں بھی وہ عزت و سرداری کے مستحق ہیں اور آخرت میں بھی جنت اور رضائے الٰہی حاصل کر سکیں گے اور دیدار خداوندی سے بھی مشرف ہونگے۔

اخلاصِ نیت

اسلام کے نظامِ عمل میں نیت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور نیت سے مراد وہ ارادہ ہے جو انسان کو عمل کرنے پر آمادہ کرتا ہے انسان پہلے کوئی کام کرنے

کا ارادہ کرتا ہے پھر وہ کام کرتا ہے جب تک نیت یا ارادہ نہ ہو کوئی کام سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ ہر کام نیت پر موقوف ہے اللہ تعالیٰ اپنی عبادت میں نیت کو دیکھتا ہے۔ اگر نیت اچھی ہوگی تو کام اچھا ہوگا اور اس کا اجر ملے گا اور اگر نیت بری ہوگی تو اچھے سے اچھا عمل بھی بُرائی بن جائے گا۔ چنانچہ شرعی اصطلاح میں نیت کے دو معنی ہیں۔

اول: بھرپور ارادے کے ساتھ عمل کی طرف قلبی ارادے کا درست اور صحیح ہونا۔

دوم: اللہ تعالیٰ ہی سے اجر لیتے ہوئے اس کی خاطر اخلاص رکھنا۔

چنانچہ افضل ترین نیت یہ ہے کہ انسان ہر کام صرف اللہ کی خاطر کرے۔ پروردگار کے حق کے باعث اسکی تعظیم مطلوب ہو اور اپنے آپ پر وصف عبودیت لازم کرتا ہوا عمل کرے۔ اب جو عمل بھی اس نیت کے مطابق ہوگا وہ عمل صالح ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے ضرور قبول ہوگا۔ اخلاص نیت ہی اعمالِ صالحہ کا آغاز اور اللہ کی جانب سے پہلی عطا ہے اور یہی مقام جزا ہے۔ جیسی کسی کی نیت ہوگی اس کے مطابق اسے جزاء و اجر ملے گا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض کی ادائیگی اور جن کاموں کو اللہ نے حرام کیا ان سے پرہیز کرنا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے صدق نیت رکھنا افضل ترین اعمال ہیں۔''

اعمال کی درستگی وخرابی نیتوں کی درستگی اور خرابی کے باعث ہے، حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں:

> ''قلبی درستگی کے ساتھ عمل کی درستگی ہے اور نیت کی درستگی کے ساتھ قلب کی درستگی اور جو صاف رہا اس کے لیے صفائی ہوئی اور جس نے اختلاط کیا اس پر اختلاط ہوگیا۔''

آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا ارشاد ہے:

”اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، ہر آدمی کے لیے وہ ہے
جسکی اس نے نیت کی۔

چنانچہ اعمال کا ثواب نیت پر مرتب ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص حج کا ارادہ کرے سفر کی مشکلات برداشت کرے پھر مناسک حج ادا کرے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کرے تو اللہ تعالیٰ اسکو حج کا ثواب عطا کرتا ہے۔ اگر کسی نے تجارت کا ارادہ کیا پھر ساتھ حج بھی کر لیا تو اس کو حج کا ثواب نہیں ملے گا کیونکہ حج کی آڑ میں وہ اشیاء خریدنے گیا۔ اس طرح جہاد ہے اور نیت کے مطابق ثواب ملے گا۔ حضورﷺ نے فرمایا:

”میری اُمت کے بہت سے آدمی بستر اور تکیوں پر سر رکھ کر مرتے ہیں وہ شہید ہوتے ہیں اور بہت سے آدمی میدان جنگ میں مرتے ہیں لیکن وہ شہید نہیں ہوتے تو شہادت اسی کو نصیب ہوگی جس کا ارادہ نیک ہوگا۔ جس کا ارادہ دنیا میں مال و دولت کا حصول نیک نامی شہرت طلبی ہوگا وہ شہید نہیں بلکہ وہ اپنی خواہشات کے حصول کی کوشش میں مارا گیا۔“

حضور نبی کریمﷺ کا ارشاد ہے:

”اللہ تعالیٰ عمل کے بغیر کسی قول کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی نیت کے بغیر قول وعمل کو قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں ہر دانا کا کلام قبول نہیں کرتا مگر میں اسکی نیت و خواہش کی طرف دیکھتا ہوں جس کی نیت و ارادہ میرے لیے ہو میں اس کی خاموشی کو بھی ذکر بنا دیتا ہوں اور اس کی نظر کو چشم بصیرت بنا دیتا ہوں۔“ (قوت القلوب)

فرمایا:

اللہ تمہارے اجسام اور تمہارے اموال کی طرف نہیں دیکھتا

بلکہ وہ تمہارے قلوب اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔

منقول ہے کہ:

''غربت و افلاس اور قحط کا زمانہ تھا کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص ریت کے ٹیلے پر سے گزرتا ہوا سوچنے لگا کاش میرے پاس غلے کا اتنا انبار ہوتا اور میں وہ انبار ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتا۔ رسول خداؐ پر وحی نازل ہوئی کہ اس شخص کو خوشخبری دے دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا صدقہ قبول کر لیا۔''

اسی طرح حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے جناب رسول اللہؐ غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے تو فرمایا:

مدینے میں کچھ اقوام ہیں ہم نے جو وادی بھی طے کی جو مقام بھی ہم نے طے کیا جس قدر کافروں کو غصہ دلایا ہم نے جو مشقت بھی اٹھائی، جس فاقہ کا سامنا کیا وہ ان سب میں ہمارے شریک رہے حالانکہ وہ مدینے میں ہیں۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہؐ وہ ہمارے ہمراہ نہیں پھر یہ سب کیسے ممکن ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا:

انھیں عذر نے مدینے میں روک لیا۔ چنانچہ وہ اپنی حسن نیت کے سبب ہمارے حصہ دار ہیں۔مشہور واقعہ ہے کہ حضورؐ ایک گلی سے گزرے۔ ایک صحابیؓ مکان بنا رہے تھے اور مکان میں روشندان اور کھڑکیاں رکھیں۔ حضورؐ نے دیکھ کر پوچھا یہ کھڑکیاں اور روشن دان کس لیے ہیں۔ صحابیؓ نے عرض کیا کہ تازہ ہوا اور روشنی اندر آئے گی اور گندی ہوا باہر جائے گی یہ سن کر آپؐ نے فرمایا۔ افسوس اگر تم یہ ارادہ کرتے کہ اذان کی آواز میرے کانوں میں آئے گی تو یہ مکان قائم رہنے تک تیرے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی رہتیں۔ فرمایا:

جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور ابھی عمل نہیں کیا تو اس کے لیے ایک نیکی لکھی گئی اور جس کسی نے بُرائی کا ارادہ کیا پھر اس پر عمل نہیں کیا (بلکہ بُرائی سے

الگ ہوگیا) تو اس کے لیے بھی بُرائی سے بچنے پر ایک نیکی لکھی گئی ۔

ایک سالک کے بارے میں منقول ہے وہ علماء کے پاس جایا کرتے اور کہتے کوئی عالم مجھے ایسا عمل بتا دے کہ میں ہر وقت اللہ کی عبادت کرنے والا بن جاؤں میں چاہتا ہوں کہ مجھ پر کوئی گھڑی ایسی نہ آئے کہ اس میں اللہ کی عبادت سے الگ رہوں۔یعنی ہر وقت عبادت میں داخل رہوں ان سے کہا گیا۔

آپ نے مطلوب پا لیا۔مقدور بھر اعمال کرتے رہیے جب تھکاوٹ ہو جائے تو عمل کی نیت کر لیجئے اس لیے کہ اچھے کام کی نیت کرنا بھی عمل کرنے والے کی طرح ہے۔

چنانچہ انسان کو چاہیے کہ ہر چیز میں ایک نیت حسنہ رکھے حتیٰ کہ کھانے پینے ،لباس اور نکاح میں بھی نیک نیت ہو۔اس لیے کہ یہ تمام اعمال ہیں اور ان کے متعلق باز پرس ہوگی۔اگر یہ اعمال اللہ کے لیے خالص ہوئے تو اسکی نیکیوں کے پلڑے میں ہونگے اور اگر یہ اعمال راہ خواہش یا کسی دینوی غرض کے لیے ہوئے تو اس کی بُرائیوں کے پلڑے میں ہونگے ۔

نیت کے اثرات

ایک قول کے مطابق نیت عمل سے بہتر ہے

حضرت ثوریؒ سے پوچھا گیا کیا انسان پر نیت کی وجہ سے مواخذہ ہوتا ہے فرمایا۔ہاں جب عزم ہوتو مواخذہ ہوتا ہے۔ایک حدیث ہے:

''ایک شخص اچھے اعمال کرتا ہے فرشتے تحریر شدہ اعمال کا صحیفہ آسمان پر لے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ صحیفہ پھینک دو''
اس نے میری خاطر عمل کی نیت کی۔پھر فرشتوں کوفرماتا ہے:
اس کے لیے ایسے ایسے اعمال لکھو۔اس کے لیے ایسے ایسے

اعمال لکھو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار اس نے ان اعمال میں سے ایک بھی نہیں کیا، اللہ فرماتا ہے اس نے ان اچھے اعمال کی نیت کی ہے۔

حضرت ابو کبشہ نماریؓ کی روایت شدہ حدیث کے مطابق:

چار قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ آدمی جسے اللہ نے مال دیا تو وہ اپنے علم کے مطابق مال راہ خدا میں خرچ کرتا ہے چنانچہ ایک آدمی کہتا ہے۔ کاش اللہ تعالیٰ مجھے بھی ایسی دولت سے نوازے تو میں بھی یہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کروں۔ تو اب نیکی میں یہ دونوں برابر ہوگئے۔

اور ایک آدمی کو اللہ مال عطا کرے اور علم عطا نہ کرے تو وہ اپنی جہالت کے باعث اپنا مال غلط کاموں پر خرچ کرے۔ ایک آدمی یہ کہے کاش میرے پاس بھی دولت ہوتی تو میں بھی ویسے (برے) کام کرتا جیسے وہ شخص کر رہا ہے۔ تو یہ دونوں گناہوں میں برابر ہیں۔

دیکھیے کس طرح حسنِ نیت کے سبب اس کے اچھے اعمال میں شریک کر دیا اور دوسرے کو بری نیت کے سبب برے اعمال میں حصہ دار اور برابر بنا دیا۔

نیت بدلنے کا انجام

روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد نے عرصہ دراز تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ کچھ لوگ آئے اور انھوں نے کہا۔ یہاں پر ایک قوم اللہ تعالیٰ کے سوا ایک درخت کی عبادت کرتی ہے اسے غصہ آیا اور کلہاڑا کاندھے پر رکھ کر درخت کاٹنے کے ارادے سے چلا۔ راستے میں شیطان ایک بوڑھے کی شکل میں اسے ملا اور پوچھا اللہ تجھ پر رحم کرے کہاں جا رہے ہو؟ عابد نے کہا میں اس درخت کو کاٹنا

چاہتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ کی بجائے لوگ اس درخت کی عبادت کر رہے ہیں۔ شیطان نے کہا۔ کہاں آپ اور کہاں وہ درخت؟ آپ نے اس کی خاطر اپنی عبادت چھوڑ دی اور دوسرے کام میں مصروف ہوگئے۔ عابد نے کہا یہ بھی عبادت کا کام ہے۔ شیطان نے کہا میں آپ کو ایسا ہرگز نہ کرنے دونگا۔ راوی بتاتے ہیں۔ دونوں کی لڑائی ہوگئی عابد نے شیطان کو زمین پر پٹخ دیا اور سینہ پر چڑھ گئے۔ ابلیس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں ایک بات کرتا ہوں وہ اُٹھ گئے ابلیس کہنے لگا کیا آپ نبی ہیں؟ عابد نے کہا نہیں۔ اس نے کہا تو پھر آپ پر یہ فرض نہیں کہ جو لوگ غیر اللہ کی عبادت میں لگے ہیں انھیں روکیں آپ اپنی عبادت کو چھوڑ کر ادھر کیوں آئے ہیں اس زمین پر اللہ کے کئی انبیاء ہیں اگر وہ چاہتا تو انھیں ان لوگوں کی طرف بھیجتا اور انھیں یہ درخت کاٹنے کا حکم دیتا۔ عابد نے کہا نہیں میں درخت کاٹ کر رہوں گا۔

ابلیس نے پھر مقابلے کی دعوت دی اس بار پھر عابد نے اس پر غلبہ پا لیا اور پچھاڑ کر اس کے سینے پر چڑھ گئے۔ جب ابلیس نے دیکھا کہ ان کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں اور ان پر کچھ تسلط حاصل نہیں کر سکا تو کہنے لگا۔ مجھ سے ایک بات پر فیصلہ کر لو جو آپ کے اور میرے درمیان ہوگی۔ عابد بولے کہو۔ شیطان نے کہا آپ ایک فقیر آدمی ہیں آپ کے پاس کچھ مال نہیں دوسرے لوگ آپ کی کفالت کرتے ہیں۔ شاید آپ پسند کر لیں کہ اپنے بھائیوں پر احسان کریں۔ پڑوسیوں پر صدقہ کریں، اپنی حالت میں وسعت کر لیں اور لوگوں سے بے نیاز ہو جائیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ شیطان نے کہا جس کام کے لیے آپ جا رہے ہیں ادھر سے ہٹ کر واپس لوٹ جائیں اور میرے ذمہ ہوا کہ آپ کے سرہانے روزانہ رات دو دینار رکھ دوں تا کہ آپ اپنے اہل وعیال کی کفالت کر سکیں صدقہ خیرات کر سکیں۔

راوی بتاتے ہیں کہ عابد نے غور کیا اور اپنے دل میں کہا اس بوڑھے نے

صحیح کہا ہے میں نبی نہیں ہوں کہ اس درخت کو کاٹنا مجھ پر لازم ہو اور نہ ہی مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے چنانچہ درخت کے باقی رہنے میں کچھ نقصان نہیں اور جس بات یعنی (دو دینار) کا اس نے ذکر کیا یہ عام لوگوں کے لیے زیادہ فائدہ بخش چیز ہے۔ شیطان نے وعدہ کر لیا چنانچہ رات گزری تو صبح عابد کے سرہانے دو دینار موجود تھے۔ انھیں لے لیا دوسرے روز بھی ایسے ہی ہوا۔ تیسرے روز صبح ہوئی تو کچھ نہ پایا غصہ آیا۔ کلہاڑا کاندھے پر رکھ کر درخت کاٹنے کی نیت سے چل پڑا راستے میں پھر شیطان بوڑھے کی شکل میں ملا کہاں کا ارادہ ہے، عابد بولا وہ درخت کاٹوں گا اس نے کہا تم نے جھوٹ کہا اللہ کی قسم تم اب اس بات پر قدرت نہیں رکھتے عابد نے اسے پکڑا تا کہ جیسے پہلی بار پچھاڑا تھا ایسے ہی پچھاڑ دے اور کہا آ ؤ۔ راوی بتاتے ہیں۔ ابلیس نے اس کو اس طرح دبوچا جیسے چڑیا کو دبوچ لیتے ہیں ۔ اٹھا کر دے مارا اب ابلیس اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا اس کام سے باز آ ؤ گے یا تجھے ذبح کردوں۔ جب عابد نے دیکھا کہ اس کے مقابلے کی کچھ ہمت نہیں تو کہنے لگا تو غالب آ گیا اب مجھ سے ہٹ جا اور یہ بتا کہ پہلی بار میں تجھ پر کیوں غالب آ گیا تھا؟ اور تجھے پچھاڑ دیا تھا اور اب تو غالب آ گیا اور مجھے پچھاڑ دیا یہ کیا بات ہوئی؟ ابلیس نے کہا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی بار تو اللہ تعالیٰ کی خاطر غضبناک ہوا تھا اور تیری نیت آخرت کی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرے قابو میں دے دیا اور تو مجھ پر غالب آ گیا۔ اس بار تو اپنے نفس کی خاطر غضبناک ہو کر آیا ہے اور تیری نیت دنیا ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے تجھ پر مسلط کر دیا اور میں نے تجھے پچھاڑ دیا۔

حقیقتِ اخلاص

حقیقتِ اخلاص یہ ہے کہ دو باتوں سے پرہیز کیا جائے ، ریا کاری سے اور خواہش نفس سے۔ تا کہ وہ ایسا خالص ہو جائے جیسے اللہ تعالیٰ نے دودھ کے

خالص ہونے کا ذکر کیا۔ فرمایا اگر گوبر یا خون میں سے ایک بھی چیز پائی گئی تو وہ خالص نہ ہوگا اور نہ ہی ہماری طبیعت ایسے دودھ کو پسند کرے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا معاملہ ہوگا اگر عبادت میں ریا کاری یا کوئی نفسانی خواہش پائی گئی تو وہ عبادت خالص نہ رہے گی اور عبادت میں صدق و ادب مکمل نہ ہوگا لہٰذا عمل میں انسان کا اخلاص عمل سے بہتر ہے۔

ایک قول کے مطابق نیت باطن کی بات ہے اللہ کے سوا کوئی دوسرا اس پر آ گاہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اخلاص میرے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جس بندے کو میں دوست رکھتا ہوں اس کو اس راز سے نوازتا ہوں۔''

اخلاص کی فضیلت قرآن حکیم میں یوں آئی ہے:

''انھیں حکم دیا گیا ہے کہ خالص اللہ ہی کی عبادت کریں'' (القرآن)

''خبردار دین خالص اللہ ہی کے لیے ہے۔'' (القرآن)

چنانچہ اللہ تعالیٰ بندے کی نیت کی مقدار پر اس کا مددگار ہے جس کی نیت کامل ہے اس کے لیے خاص کر کے اللہ تعالیٰ کی مدد بھی کامل ہوئی اور جس کی نیت ناقص ہے اللہ تعالیٰ کی مدد اسی قدر اس سے کم ہوگی۔ کئی چھوٹے اعمال ایسے ہیں جو حسنِ نیت کے سبب بڑے ثواب کا موجب بنتے ہیں اور کئی بڑے اعمال ایسے ہیں جو فتورِ نیت کے سبب ضائع ہو جاتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''اے معاذ اخلاص کے ساتھ عمل کرتا کہ تھوڑا عمل ہی تجھے کفایت کرے۔''

عمل وہی خالص ہے جس میں اپنی ذات کا کوئی فائدہ یا حصہ نہ ہو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر شروع کر کے اور اللہ ہی کی رضا چاہتے ہوئے مکمل کر کے اس سے نکلے اور درمیان میں کچھ آفت نہ آئے ایسے عمل میں اول میں بھی

اللہ ہے اور آخر میں بھی وہی اسکے ساتھ ہے۔ پھر اس کے بعد اس عمل کے ذریعے فخر و تکبر نہ دکھائے تو یہ افضل ترین عمل ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے: میدان حشر میں ہر آدمی کی نیت پر فیصلہ کیا جائے گا۔ قیامت کے دن سب سے پہلے ایک ایسے شخص کے خلاف فیصلہ سنایا جائے گا جس نے شہادت پائی ہوگی اسے خدا کی عدالت میں حاضر کیا جائے گا اللہ تعالیٰ اسے اپنی سب نعمتیں یاد دلائے گا اور انھیں تسلیم کرے گا۔ تب پوچھے گا تو نے میری نعمتیں پا کر کیا کام کیے؟

وہ عرض کرے گا کہ میں نے تیری خوشنودی کی خاطر تیرے دین سے لڑنے والوں کے خلاف جنگ کی، یہاں تک کہ میں نے اپنی جان دی۔ اللہ اس سے کہے گا تو نے یہ بات غلط کہی کہ میری خاطر جنگ کی تو نے تو صرف اس لیے جنگ کی کہ لوگ تجھے جری اور بہادر کہیں، سو دنیا میں تجھے اس کا صلہ مل گیا پھر فرشتوں کو حکم دے گا اسے لے جاؤ اور جہنم میں پھینک دو۔

پھر دوسرا شخص خدا کی عدالت میں پیش کیا جائے گا جو دین کا عالم و معلم ہوگا۔ اسے خدا اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ انھیں تسلیم کرے گا۔ تب اس سے کہا جائے گا ان نعمتوں کو پا کر تو نے کیا عمل کیے؟ وہ عرض کرے گا خدایا میں نے تیری خاطر تیرا دین سیکھا اور تیری خاطر دوسروں کو اس کی تعلیم دی اور تیری خاطر قرآن مجید پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے جھوٹ کہا تم نے اس لیے علم سیکھا تھا کہ لوگ تمہیں عالم کہیں اور قرآن اس غرض سے پڑھا تھا کہ لوگ تمہیں قرآن کا جاننے والا کہیں سو دنیا میں تمہیں اس کا صلہ مل گیا فرشتوں کو حکم دے گا اسے لے جاؤ اور جہنم میں پھینک دو۔

اور تیسرا آدمی وہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کشادگی بخشی تھی۔ ہر قسم کی دولت سے نوازا تھا۔ ایسے شخص کو خدا کی جناب میں پیش کیا جائے گا وہ اسے اپنی سب نعمتیں بتائے گا اور وہ ساری نعمتوں کا اقرار کرے گا کہ ہاں یہ سب نعمتیں اسے دی گئی تھیں۔

تب اس سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا میری نعمتیں پا کر تو نے کیا کیا؟ وہ جواب میں عرض کرے گا جن جن راستوں پر خرچ کرنا تیرے نزدیک پسندیدہ تھا ان سب راستوں میں، میں نے تیری خوشنودی کے لیے خرچ کیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا جھوٹ کہا تو نے یہ سارا مال اس لیے لٹایا تھا کہ لوگ تجھے سخی کہیں سو یہ لقب دنیا میں مل گیا چنانچہ اسے لے جا کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

اوپر کی تینوں روائتیں جس حقیقت کو وضاحت کے ساتھ سامنے لاتی ہیں وہ یہ ہے کہ آخرت میں کسی نیک کام کی ظاہری شکل پر کوئی صلہ نہ ملے گا وہاں تو صرف وہی کام اجروثواب کا مستحق ہوگا جس کو خدا کی خوشنودی کے لیے کیا گیا ہوگا۔ بڑے سے بڑا نیکی کا کام اگر اس لیے کیا گیا کہ دوسرے اس سے خوش ہوں یا لوگوں کی نگاہ میں اس کی وقعت بڑھے تو خدا کی نگاہ میں اسکی کوئی وقعت نہیں۔ آخرت کے بازار میں اسکی کوئی قیمت نہیں ایسا عمل خدا کے میزان میں کھوٹا سکہ قرار پائے گا۔ نہ ایسا ایمان وہاں کام آئے گا نہ ایسی عبادت۔ چنانچہ دکھاوے اور نام ونمود کے تباہ کن جذبے سے بہت ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہیے۔ ورنہ ساری محنت برباد ہو جائے گی اور سرمایہ کی بربادی کا وہاں علم ہوگا جہاں انسان کوڑی کوڑی کا محتاج ہوگا۔ لمحہ بھر کے اخلاص میں بندے کی نجات کا سامان موجود ہے لیکن اخلاص ہے نادر الوجود، اسلاف کا کہنا ہے: علم بیج کی مانند ہے عمل کھیتی کی مانند اور اخلاص پانی کی مانند ہے۔ پانی کے بغیر بیج اور کھیتی دونوں بیکار ہیں۔

روایت ہے کہ ایک فقیر حضرت ابو سعید خرازؒ کی مصاحبت میں رہتا تھا وہ ان کی ضروریات میں لگا رہتا فقراء کی خدمت کرتا۔ ایک بار حضرت ابو سعیدؒ نے اخلاص نیت کے بارے میں کلام کیا تو اس نوجوان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور وہ یہ سمجھا کہ ان کی خدمت سے الگ ہو جانا اور خاموش بیٹھ رہنا اخلاص ہے۔

چنانچہ اس نے ان کے اصحاب کی خدمت بند کر دی تو فقراء کو بڑی تکلیف پہنچی۔ حضرت ابو سعیدؒ نے اس نوجوان سے پوچھا تم اپنے بھائیوں کی خدمت کیا

کرتے تھے پھر الگ ہوگئے اس کی کیا وجہ ہے؟ نوجوان نے عرض کیا اے استاد محترم آپ نے اخلاص کے بارے میں کلام فرمایا۔ مجھے ڈر ہوا کہ میرے افعال میں ریا کا دخل ہے اس لیے انھیں چھوڑ دیا حضرت نے فرمایا:

غفلت مت کرو اخلاص ایسی چیز نہیں جو عبادت کو ختم کردے اور نہ ہی ایک دانشمند کے لیے یہ مناسب ہے کہ اخلاص کی خاطر عمل کرنا چھوڑ دے ورنہ اخلاص و عمل دونوں ہی کھو بیٹھے گا۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ جو کر رہا ہے اسے چھوڑ دے بلکہ میں نے کہا تھا کہ اپنے کام میں اخلاص پیدا کر۔ تیری اخلاص طلبی نے تجھے نیکی کے کام سے ہٹا دیا اور ہمیں تکلیف پہنچی جو کر رہا تھا دوبارہ اس میں لگ جا اور اسی میں اللہ تعالیٰ کی خاطر اخلاص رکھ۔

ریا کے ڈر سے ترک عبادت کی ممانعت

ریا کے ڈر سے عبادت ترک کرنے کی بالکل اجازت نہیں۔ کیونکہ مخلوق کے ڈر سے عبادت گھٹانا بڑھانا درست نہیں۔ ہاں جہاں یہ مشکل ہو جائے کہ عبادت کی مطلق نیت ہی نہ رہی ہو اور ریا ہی ریا ہو جائے وہاں عبادت کیسی؟ مگر پھر بھی جب تک اصل نیت برقرار رہے عبادت سے ہاتھ نہ کھینچے۔ حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق کے دیکھنے کے ڈر سے ترک عبادت ریا ہے اور پھر مخلوق کو دکھانے کے واسطے عبادت کرنا شرک۔ شیطان یہ چاہتا ہے کہ تو عبادت نہ کرے۔ جب اس سے عاجز آ جاتا ہے تو تجھ سے کہتا ہے کہ لوگ دیکھتے ہیں۔ مخلوق کا دیکھنا ریا ہے اطاعت نہیں۔ یوں وہ کوشش کرتا ہے کہ فریب دے کر تجھے عبادت سے روک سکے ایسے موقع پر اس کا جواب یوں دینا چاہیے کہ مخلوق کا دھیان کر کے عبادت سے ہاتھ کھینچ لینا بھی ریا ہے۔ بلکہ مخلوق کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے۔ مجھے جیسی عادت ہے میں ویسا ہی کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ مخلوق دیکھتی ہی نہیں۔ کیونکہ مخلوق کے خوف سے عبادت نہ کرنا ایسا ہے کہ کوئی اپنے غلام کو گندم صاف

کرنے کے لیے دے اور غلام صاف نہ کرے اس کا عذر ہو کے مجھے ڈر تھا کہ صحیح صاف نہ کرسکوں گا۔ تو آقا کہے گا بے وقوف تو نے اصل کام ہی نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اخلاص کا حکم دیا ہے۔ لیکن جب وہ عمل سے دستبردار ہو جائیں تو اخلاص سے تو پہلے ہی دستبردار ہو گئے کیونکہ اخلاص عمل میں ہی ہوتا ہے۔

ایک حکایت ہے کہ بصرہ میں صبح کے وقت یہ عالم ہوتا کہ جس گلی محلے میں جاتے ذکر و تلاوت کی آواز آتی ہے۔ اس کی طرف مخلوق کو بہت رغبت تھی۔ ایک شخص نے ریا کی حقیقت پر ایک کتاب لکھی تو ان لوگوں نے ریا کے خوف سے ذکر و تلاوت ترک کر دی۔ اس کتاب کے سبب رغبت میں فتور پڑ گیا لوگ کہتے کاش یہ کتاب نہ لکھی جاتی تو ریا کار شخص ہی اوروں کے لیے خیر کا باعث بن جاتا۔

اطاعت ظاہر کرنے کی اجازت

اطاعت کو چھپانے کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی ریا سے بچ جاتا ہے۔ جبکہ ظاہر کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ دوسروں کو رغبت ہو اور وہ نیکی کی طرف متوجہ ہوں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تعریف کی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

''اگر تم صدقہ ظاہر کر کے دو تو بہت اچھا ہے اگر چھپا کر فقراء کو دو تو بہتر ہے تمہارے حق میں'' (سورۃ بقرہ آیت 271)

ایک دن جناب نبی کریم ﷺ کو کسی دینی کام کی خاطر مال کی ضرورت تھی۔ ایک انصاری بزرگ تھیلی لے کر آئے تو ان کی دیکھا دیکھی دوسرے حضرات بھی مال لانے لگے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ اچھی بات کی ابتداء کرنے والے کو اپنا ثواب بھی ملے گا اور دوسروں کی موافقت کا اجر بھی نصیب ہوگا۔ گویا حقیقت یہ ہے کہ اگر ریا کا ڈر نہ ہو اور عبادت کے اظہار کا مقصد دوسروں کو شوق دلانا ہو تو یہ جائز بلکہ افضل ہے۔ جو شخص عبادت ظاہر کرنا چاہے اُسے چاہیے کہ ایسی جگہ یہ کام کرے جہاں مناسب و ممکن ہو۔ دوسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ اپنے دل کو

ٹوٹے کیونکہ بعض لوگوں کے دل میں ریا کا شوق پوشیدہ ہوتا ہے اور دوسروں کو ترغیب کے بہانے یہ شوق پورا کر لیتے ہیں۔ اس طرح ہلاکت کا خطرہ ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو تیرنا نہیں جانتا، ڈوبنے لگتا ہے تو دوسرے کا ہاتھ پکڑ لے کہ دونوں ڈوب جائیں اور قوی آدمی کی مثال یہ ہے جیسے کوئی تیرنے میں مشتاق ہو خود بھی بچے اور دوسروں کو بھی بچائے۔ مگر یہ انبیاء اور اولیاء کرام کی نشانی ہے۔ یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں کہ جو عبادت چھپا سکتا ہے اسے بھی نہ چھپائے اور دوسروں کو ترغیب کے شوق میں اپنے اعمال حسنہ ضائع کر لے۔ اس معاملے میں سچائی کی علامت یہ ہے کہ فرض کریں کہ لوگ اس سے کہیں تو اپنی عبادت پوشیدہ رکھ تاکہ لوگ دوسرے عابد کی پیروی کریں اور تجھے ویسا ہی اجر ملے جیسا اظہار میں ہے ایسی صورت میں اگر اپنے دل میں اظہار کی رغبت پائے تو اس کی دلیل ہوگی کہ اسے اپنی عزت مطلوب ہے اور آخرت سے اس کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ اظہار ریا ہوگا نیکی کی ترغیب نہیں۔

لہٰذا انسان کو چاہیے کہ ہمیشہ اچھا ارادہ کرے۔ نیک ارادے کے بغیر کوئی عمل خواہ دیکھنے میں کتنا ہی خوشنما اور پسندیدہ کیوں نہ ہو آخرت میں اس کا اجر صرف اسی صورت میں ملے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر کیا گیا ہو۔

حُبِ الٰہی

ایمان باللہ کا سب سے پہلا تقاضا محبت الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کا پاکیزہ جذبہ دل میں ایمان کی قوت کو مضبوط کرتا ہے محبت جس قدر کامل ہوگی اسی قدر ایمان مضبوط و مستحکم ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے:

''اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے ہیں۔''

گویا اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی

علامت یہ ہے کہ اہل ایمان کے دلوں میں اللہ کی ذات پاک سے بے پناہ محبت اور قلبی تعلق پیدا ہو جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے محبت اعلیٰ ترین مقام ہے بلکہ تمام مقامات حاصل کرنے کی غرض و غایت ہی حب الٰہی ہے۔ انسان کا کمال اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل کو گھیرے رکھے اگر بالکل نہ گھیرے تو کم ازکم دوسری چیزوں سے محبت کی نسبت غالب تر ہو۔

حضور نبی کریم ﷺ سے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ایمان کس چیز کا نام ہے:

فرمایا: ایمان یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو باقی تمام چیزوں سے زیادہ دوست رکھے اور بندہ جب تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اپنے اہل و عیال، مال و دولت اور تمام مخلوق سے زیادہ دوست نہ رکھے تب تک وہ صاحب ایمان نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اگر تمہیں اپنی اولاد، مال، تجارت، گھر بار اور جو کچھ
تمہارے پاس ہے اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے زیادہ عزیز ہیں
تو اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔

حضور نبی کریم ﷺ کی دعاؤں میں یہ دعا بھی شامل تھی:

''اے اللہ مجھے اپنی محبت اور اپنے محبوں کی محبت عطا فرما اور
اس چیز کی محبت جو مجھے تیری محبت کے قریب فرما دے اور
اپنی محبت کو مجھ پر اس سے زیادہ غالب فرما جتنی پیاسے کو
ٹھنڈے پانی کی محبت ہوتی ہے۔ (مشکوٰۃ، ترمذی)

چنانچہ قرآن و حدیث میں اس امر کی وضاحت بڑی تفصیل سے آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چاہنا ایک عظیم نیکی ہے۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے:

ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی
قیامت کب آئے گی آپ ﷺ نے فرمایا تو نے قیامت کے

لیے کیا تیاری کر رکھی ہے وہ بولا میری تیاری یہ ہے کہ مجھے
اللہ اور اس کے رسولﷺ سے محبت ہے۔
حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو قیامت کے دن انہی کے
ساتھ ہوگا جن سے تجھے محبت ہے۔ (مسلم)

حضرت ابوسلمان دارانیؒ فرماتے ہیں:

جوشخص آج دنیا میں اپنے آپ میں مصروف ہے وہ کل بروز
قیامت بھی اپنے آپ میں مصروف ہوگا اور جو آج دنیا میں
اللہ کے ساتھ مشغول ہے اوہ قیامت کے دن بھی دیدار الٰہی
میں مشغول ہوگا۔ (کیمیائے سعادت)

حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے کسی نے عرض کی مجھے نصیحت فرمائیے۔فرمایا:

جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم کرو اللہ تعالیٰ دنیا
والوں سے تمہاری تعظیم کرائے گا۔ (کیمیائے سعادت)

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

خوش نصیب ہے وہ شخص جس کے دل میں اللہ کی محبت کے سوا
کسی چیز کی محبت نہ ہو اور وہ اسکے سوا کسی اور کا طالب نہ ہو
پس ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اگرچہ بظاہر وہ خلق کے
ساتھ مشغول ہے۔ (کیمیائے سعادت)

جس دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت سما جاتی ہے اس دل سے ہر محبت اور ہر تعلق حرف غلط کی طرح مٹ جاتا ہے۔ بیوی بچوں بہن بھائیوں اور رشتہ داروں کی محبتیں اس عظیم محبت کے تابع اور زیر فرمان ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت جس چیز کو باقی رکھنا چاہتی ہے وہ باقی رہتی ہے اور جس محبت کو ختم کرنا چاہتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے:

’’جس نے اللہ کی خاطر کسی سے دوستی کی یا اللہ کی خاطر کسی

سے دشمنی کی تو ایسے شخص نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا۔‘‘
(ابوداؤد)

شرائطِ محبت

بندے اور خالق و مالک کے درمیان جو تعلق ہے وہ محض حاکم و محکوم کا نہیں بلکہ محبّ و محبوب کا بھی ہے۔ مگر اللہ سے محبت کا دعویٰ کرنا کوئی آسان بات نہیں کہ انسان بغیر سوچے سمجھے یہ گمان کرنے لگے کہ اُسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔ محبت کی بھی کچھ شرائط ہیں اگر کسی شخص کی محبت میں وہ شرائط پائی جائیں تو اس کا دعویٰ محبت کامل ہوگا ورنہ نہیں یہ شرائط حسب ذیل ہیں۔

پہلی شرط: ذکرِ محبوب کی کثرت ہے

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’انسان کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے وہ اس کا ذکر بڑی کثرت سے کرتا ہے۔‘‘

گویا محبت کی پہلی شرط یہ ہے کہ محبوب کا کثرت سے ذکر کیا جائے اور ہر لمحہ اور ہر گھڑی اس کی یاد سے دل کی دنیا کو آباد رکھا جائے ایک حدیث قدسی میں سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’میرے بے شمار ایسے بندے ہیں کہ جو مجھ سے محبت کرتے ہیں میں ان سے محبت کرتا ہوں وہ میری ملاقات کے آرزو مند رہتے ہیں، میں اُن کی ملاقات کا متمنی رہتا ہوں۔ عرض کیا گیا ان کی پہچان کیا ہے؟ فرمایا: ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ راتوں کو دنوں پر ترجیح دیتے ہیں اور جب رات شروع ہو جاتی ہے تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ملاقات کی گھڑی آن پہنچی وہ اپنی نیند و آرام چھوڑ کر اپنے پہلوؤں کو نرم بستروں سے محروم کر

کے میرے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں پھر وہ تمام شب مجھ
سے ہمکلام رہتے ہیں۔

انہی ارشادات خداوندی کا نتیجہ تھا کہ سرور کائناتﷺ اتنی طویل نمازیں ادا فرماتے اور ان میں اتنے طویل سجدے فرماتے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کبھی کبھی تو یہ گمان گزرنے لگتا کہ شاید آپ کے جسمِ اطہر سے روح مبارک پرواز کر گئی ہے۔

حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کی نسبت سیرت نگار لکھتے ہیں کہ سردیوں کی طویل راتوں میں جب آپؓ مصلے پر عبادت کے لیے کھڑی ہوتیں تو ایک ہی سجدے میں تمام رات بیتا دیتیں اور جب اذان فجر سن کر سر مبارک اٹھاتیں تو ایک سرد آہ کھینچ کر فرماتیں اے اللہ تو نے رات کتنی چھوٹی بنائی کہ جی بھر کر سجدہ بھی ادا نہیں ہو پاتا۔

سچ تو یہی ہے کہ جنھیں اللہ سے کامل محبت ہوتی ہے ان کے لیے کوئی لذت عبادت کی لذت سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔

اس تمام بحث سے قدرتی طور پر یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ انسان ہمہ وقت یاد الٰہی میں مصروف رہے اور اپنی تمام معاشی سماجی اور معاشرتی سرگرمیاں ترک کر دے کہ یہی محبت الٰہی کا تقاضا ہے؟

مگر اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت ایسی چیز نہیں جو انسان کو دنیوی زندگی کے فرائض سے غافل کر دے۔ اس سلسلے میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان اپنی عائلی معاشی معاشرتی اور مذہبی ذمہ داریاں جس قدر دیانت داری نیک نیتی اور احکام الٰہی کے مطابق انجام دے گا اُسی قدر وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا شمار ہوگا۔

دوسری شرط: محبت الٰہی کی دوسری شرط آزمائش پر صبر ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی دوسری شرط یہ ہے کہ اگر انسان کو دنیا میں رہتے

ہوئے کسی آزمائش یا پریشانی سے دو چار ہونا پڑے تو وہ اس آزمائش کو مصیبت نہ سمجھے بلکہ اسے اپنے محبوب کی عطا جان کر خندہ پیشانی سے قبول کرے اور اس دکھ اور پریشانی میں ایک گونہ راحت و لذت محسوس کرے اور اپنے رب کی رضا جان کر سجدہ شکر بجا لاتا رہے کیونکہ مصائب اور تکالیف پر صبر کرنا صدیقین کا شیوہ ہے۔اسی وجہ سے حضور نبی کریمﷺ نے دعا کی:

''اے اللہ ہمیں اس قدر یقین نصیب فرما کہ دنیا کی مصیبتیں ہم پر آسان ہو جائیں۔''

مزید فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس بندے پر میں بیماری بھیجتا ہوں وہ میری محبت میں صبر سے کام لے اور لوگوں سے میرا گلہ شکوہ نہ کرے تو میں اگر اسے صحت بخشوں تو پہلے سے زیادہ اچھی صحت عطا کرتا ہوں اور اگر دنیا سے لے جاؤں یعنی موت آ جائے تو اپنی رحمت کے ساتھ لے جاتا ہوں۔ یعنی ایمان کی موت نصیب فرماتا ہوں۔''

گویا اللہ تعالیٰ کی محبت اور اسکے فضل و احسان کا تقاضا یہی ہے کہ مصائب و تکالیف میں شکوہ نہ کیا جائے جب آزمائش آئے تو اسے پوشیدہ رکھے اور صبر سے کام لے کیونکہ اللہ کی محبت انسان کو ضبطِ نفس کی تعلیم دیتی ہے بے صبری اور سکران و مستی کی نہیں۔

تیسری شرط:

تیسری شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب پر اپنے محبوب کو قربان کر دے اور جو چیز بھی اپنے حق میں قربِ خداوندی کا ذریعہ سمجھے اسے اپنا لے اور جو چیز بھی اللہ سے دُوری کا سبب ہو اسے ترک کر دے۔یعنی احکام الٰہی کو خوشی سے بجا لائے اور جو چیزیں اللہ سے ناراضگی کا سبب ہوں ان سے بچنے

کی کوشش کرے۔

قرآن مجید کو دوست رکھے کہ اللہ کا کلام ہے۔ اسکے رسولﷺ کو دوست رکھے کہ اس کے محبوب ہیں۔ غرض تمام مخلوقات کو دوست رکھے کہ سب مالک کی تخلیق کردہ ہیں۔ اللہ کی خاطر تمام انسانوں سے محبت رکھے۔ اُن پر رحم کرے اور ان کے ساتھ شفقت سے پیش آئے۔

حضرت ابوعلی جرجانیؒ فرماتے ہیں کہ اے شخص اپنا دل اپنے خالق کو دے اور اپنا جسم مخلوق کی خدمت کے لیے وقف کر۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک تقاضا مخلوق سے محبت بھی ہے۔ کیونکہ انسانوں سے محبت درحقیقت اللہ سے محبت ہے۔

ایک اور مشہور حدیث ہے فرمایا نبی کریمﷺ نے:

> ''جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کی تخلیق سے فارغ ہوا تو صلہ رحمی (یعنی خونی رشتوں کے بندھنوں) نے کہا اے باری تعالیٰ یہی وقت ہے کہ ان رشتوں کے ٹوٹنے سے پناہ طلب کی جائے۔
>
> تو اللہ عزوجل نے فرمایا: کیا یہ تمہارے لیے کافی نہیں ہے کہ جو کوئی ان رشتوں کو بندھا رکھے گا میں اس کو اپنے سے باندھ لونگا اور جو کوئی ان رشتوں کو توڑے گا میں اسے اپنے سے کاٹ دونگا۔ پھر ان رشتوں نے عرض کی! اے اللہ کریم اب ہم مطمئن ہیں۔''

اس لیے نبی کریمﷺ نے فرمایا:

☆ اگر کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے کام آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے کام آئے گا۔

☆ اللہ تعالیٰ اُن پر رحم فرماتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔

☆ اہل زمین پر مہربانی کرو تا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر تم پر مہربانی فرمائے۔

☆ جوشخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی تکلیف دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف رفع فرما دیں گے۔

☆ جوشخص کسی مومن کی پردہ پوشی فرمائے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت اسکے گناہوں کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

☆ اگر تم کسی بھیڑ پر بھی مہربانی کرو گے تو اللہ تم پر مہربانی کرے گا اور تم سے محبت فرمائے گا۔

گویا مخلوق کی محبت سے خالق کی محبت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے دل میں غایت درجہ محبت کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ بغیر اسکے معرفتِ الٰہی اور قرب نصیب نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ بندہ اللہ سے اسکے دین سے اور اس کے محبوب بندوں سے محبت کرے اور جوشخص اللہ کو محبوب رکھے گا لازمی طور پر وہ اسکے نیک بندوں سے اور ان کے اقوال و اعمال سے بھی محبت کرے گا۔ جس کو اللہ سے محبت نہ ہوگی اسے دین سے اسکے نیک بندوں سے اور ان کے اقوال و اعمال سے کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔ حاصلِ بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی شان ربوبیت کو دل سے ماننا اور اسکے ساتھ بے انتہا محبت و یقین رکھنا ایمان کی بنیاد ہے۔ مولانا روم حُبِ الٰہی کو دل کی تمام بیماریوں کا علاج بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

شادباش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما

خشیّتِ الٰہی

انسان جن وجوہ کے باعث کسی کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا ہے ان میں دو وجہیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک محبت اور دوسرے خوف۔ یعنی یا تو انسان کے دل میں اس شخص کے لیے محبت ہوتی اور اس محبت کے باعث وہ خوشی سے اس کی بات مانتا ہے یا پھر دل میں اس کا خوف اور رُعب ہوتا ہے کہ خوف اور رُعب کے باعث اس کے احکام کی تعمیل کی جاتی ہے۔ جہاں تک دین اسلام کا تعلق ہے لفظ اسلام کا مطلب ہی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پوری پوری اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے۔ لہٰذا پورا پورا مطیع اور بامراد بندہ بننے کے لیے ضروری ہے کہ محبت اور خوف دونوں جذبوں سے پورا پورا کام لیا جائے یعنی بندے کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھی کماحقہٗ معمور ہو اور اس کے ساتھ خدا کا خوف بھی پورے طور پر موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ کو چاہنے والوں کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے محبت بھرے دل محبوب کے خوف سے بھی پوری طرح بھرپور رہتے تھے۔ صحابہ کرامؓ سے زیادہ خدا کی محبت کن لوگوں میں ہوسکتی ہے۔ مگر ان نیک ہستیوں کی خشیت کا یہ عالم تھا کہ جب حضور نبی کریم ﷺ کے خطبات سنتے یا قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور کوئی خشیتِ الٰہی کا موقع آجاتا تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے۔

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ۔ تو تمام صحابہ بے اختیار رونے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب قرآن مجید کی یہ آیت پڑھتے:

"کیا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ابھی وہ وقت نہیں
آیا کہ خدا کے ذکر پر ان کے دل پگھلیں" (الحدید ۱۶)

تو آپؓ بے اختیار رو پڑتے اور دیر تک روتے رہتے تھے۔

صحابہ کرام میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ خاص طور پر رقیق القلب تھے۔ جب بھی قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو رونے لگتے۔ خوف و خشیت اللہ کے نیک بندوں کا شعار ہے اسی لیے قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنا خوف یاد دلایا ہے:

☆ اور اللہ سے ڈرو جان لو کہ تم اس سے ملنے والے ہو۔ (البقرہ 203)

☆ اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تمہارے اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔ (بقرہ)

☆ ہدایت اور رحمت ان لوگوں کا مقدر ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ (المائدہ)

☆ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ مرتبہ اس کا ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔

☆ اور جو اپنے رب سے ڈرتا ہے اس کے لیے دوہرا ثواب اور جنت ہے۔

یہ تو کلام پاک کی چند آیات کا ترجمہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو اپنے آپ سے ڈراتا ہے تاکہ وہ تقویٰ اور پرہیز گاری کی زندگی بسر کریں۔ کیونکہ خوف خدا کا جذبہ ہر عقیدہ و عمل کا محرک ہے۔ اس کے بغیر نہ تو فکر میں صحت پیدا ہوگی اور نہ ہی عمل میں درستگی آئے گی۔

قرآن مجید کے علاوہ سیرت النبی ﷺ سے بھی ہمیں بار بار خشیتِ الٰہی کا درس ملتا ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''دانائی اور حکمت کا راز خوفِ خدا ہے''

حضور ﷺ فرماتے ہیں! ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''قسم ہے مجھے اپنی عزت کی دو خوف اور دو امن ایک بندے میں جمع نہیں کرتا۔ اگر بندہ دنیا میں مجھ سے ڈرے گا تو وہ آخرت میں بے خوف و خطر رہے گا اور اگر دنیا میں بے خوف رہے گا تو آخرت میں خوف کا شکار ہوگا۔''

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

''حضور نبی کریم ﷺ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ ﷺ کی اُمت میں سے کوئی شخص بغیر حساب جنت میں جائے گا؟ فرمایا ہاں جو شخص اپنے گناہ یاد کر کے روئے گا وہ بغیر حساب جنت میں جائے گا۔''

قیامت کے دن سات آدمی اللہ تعالیٰ کے خصوصی سائے میں ہونگے ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے روئے۔

آنسو کا وہ قطرہ جو خوف خدا کے سبب آنکھ سے نکلے یا خون کا وہ قطرہ جو راہ حق میں گرے اس سے زیادہ کوئی قطرہ اللہ کے نزدیک محبوب نہیں۔

خوف خدا کے ساتھ ساتھ رحمت خداوندی کی اُمید ارکھنا

جس ذات کے دست قدرت میں خیر ہے اور جو اسے عطا کرنے کی طاقت رکھتا ہے اس سے خیر کی تمنا اور اسکے حصول کا انتظار کرنا اُمید کہلاتا ہے۔

خشیت الٰہی کے بارے میں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ یہ خوف ٹھیک اسی قسم کا ہو جو انبیاء کرام اور مصلحین کے دلوں میں تھا۔ یعنی دلوں میں خوف اور اُمید کے درمیان اعتدال رہے۔ خوف کی وہ انتہا جو بخشش کی اُمید کو بالکل ختم کر دے ہرگز مطلوب نہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ خوف کے ساتھ گناہوں سے بچنے کی کوشش میں مصروف رہے مگر ساتھ ہی رحمت خداوندی پر بھروسہ بھی رکھے جیسا کہ فرمایا گیا:

''ایمان خوف اور اُمید کے درمیان ہوتا ہے۔''

حضرت عمرؓ کا مندرجہ ذیل بیان اسی خوف اور اعتدال کی ٹھیک ٹھیک عکاسی کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''اگر اللہ تعالیٰ کا حکم صادر ہو کہ ساری مخلوق میں سے صرف

ایک آدمی جنت میں جائے گا تو میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ آدمی میں ہونگا۔ اور اگر یہ فرمان صادر ہو کہ دوزخ میں صرف ایک ہی شخص داخل ہوگا تو مجھے خوف ہے کہ وہ شخص کہیں میں ہی نہ ہوں۔"

حضور نبی کریمﷺ فرماتے ہیں:

"تم میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ اپنے اللہ پر اچھا گمان رکھ کر مرے۔"

کسی شخص نے یحییٰ بن اکثمؒ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ کیا۔ فرمایا مجھے سوال و جواب کے کٹہرے میں کھڑا کیا اور پوچھا تم نے فلاں فلاں کام کیے ہیں؟ تو میں خوف اور ڈر سے کانپنے لگا۔ میں نے عرض کی اے اللہ مجھے نبی کریمﷺ کے توسط سے یہ خبر ملی تھی کہ آپ بندے کے ساتھ وہ سلوک کرتے ہیں جس کا وہ آپ سے گمان رکھتا ہے اور میرا گمان یہ تھا کہ آپ مجھ پر رحم فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"میرے نبی نے سچ کہا تھا میں نے تجھ پر رحم کیا اور تجھے بخش دیا۔"

چنانچہ ایک بندہ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایمان کا صحیح بیج سینۂ میدان میں بوئے اور اپنے سینے کو بُرے اخلاق سے صاف رکھے عبادت سے ایمان کے پودے کو سینچتا رہے اور پھر اللہ سے آس وابستہ رکھے کہ وہی آفتوں سے بچانے والا ہے نیز آخری سانس تک محتاط رہے اور ایمان کی سلامتی کا پروانہ لیکر دنیا سے رخصت ہو تو یہ اُمید ہے۔

لیکن اگر بُرے اخلاق سے سینے کو پاک نہ کرے اور عبادت سے سیرابی کا اہتمام نہ کیا جائے تو رحمت کی اُمید رکھنا حماقت ہے۔ کیونکہ حضور نبی کریمﷺ نے فرمایا:

''وہ شخص احمق ہے جونفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور
پھر اللہ کی رحمت کی اُمید رکھتا ہے۔ فرمایا! دین کا معاملہ محض
آرزوں سے درست نہیں ہوتا۔ تو جس کو اللہ تعالیٰ توبہ کی
توفیق بخشیں وہ توبہ کرے اور پھر اپنی توبہ کی منظوری کے لیے
اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے۔ یہی بات اُمید کے زمرے میں
آتی ہے۔

فضیلتِ توبہ

توبہ کا مطلب ہے لوٹ آنا۔ انسان جب گناہ کا ارتکاب کر کے پشیمان ہوتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ آیندہ ایسا نہیں کرونگا تو گویا وہ نیکی کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اللہ جو اپنی مخلوق پر بے حد مہربان ہے اس بات کو از حد پسند کرتا ہے کہ انسان اس کے حضور توبہ کر کے نیکی کی راہ اختیار کریں۔ توبہ کی سہولت عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے انسان پر بہت زیادہ رحمت نازل فرمائی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

''اے اہلِ ایمان اللہ کی طرف رجوع کرو تاکہ تم فلاح و
کامیابی حاصل کرو اور جو لوگ توبہ نہیں کرتے پس وہی لوگ
ظالم ہیں۔''

جس شخص نے گناہ کیا ہو یا اپنے نفس پر ظلم کیا ہو وہ اللہ سے معافی مانگ لےتو اللہ کو بہت بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا پائے گا۔

ان آیات کی روشنی میں توبہ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک پسندیدہ عمل ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے توبہ اور مغفرت طلب کرتے رہیں کہ وہ تمام گناہوں اور لغزشوں کو معاف کرنے والا ہے۔ قرآن کریم میں مسلمانوں کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جب ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ اللہ کو یاد

کر کے اس سے مغفرت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے اور انسان کی فلاح و کامیابی اسی میں ہے کہ وہ اس غفور و رحیم کے آگے اپنی عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے اس سے رحمت و مغفرت طلب کرتا رہے۔ ہر ساعت اور ہر لمحہ رضائے الٰہی کی جستجو میں لگا رہے۔ کیونکہ پیدائش سے موت تک گناہوں سے پاک رہنا فرشتوں کا کام ہے اور تمام عمر گناہوں میں ڈوبے رہنا شیطان کا۔ جبکہ نادم ہو کر توبہ کرنا اور گناہ کی راہ چھوڑ کر اعمال صالحہ کی طرف پلٹ آنا آدم اور ان کی اولاد کا کام ہے۔ حضرت امام حسنؓ سے مروی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تو جبرائیل نے خدمت میں حاضر ہو کر مبارک باد پیش کی اور کہا آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں کہ اللہ نے آپ کی توبہ قبول فرمالی۔

یہ سن کر حضرت آدم علیہ السلام نے کہا ! اے جبرئیل اس توبہ کے قبول کرنے کے بعد بھی اگر باز پُرس ہوئی تو پھر میرا ٹھکانہ کیا ہوگا؟ اسی وقت وحی نازل ہوئی اللہ نے فرمایا۔ اے آدم تم نے اپنی نسل کو مشقت تکلیف اور توبہ کا وارث بنایا ہے۔ اب جو کوئی مجھے پکارے گا میں لبیک فرماؤنگا، جس طرح میں نے تمہارے لیے لبیک کہا تھا۔ اب جو کوئی مجھ سے مانگے گا میں اس عطا میں بخل نہیں کرونگا، کیونکہ میں توبہ قبول کرنے والا ہوں۔ اسی لیے اسلاف کا کہنا ہے کہ جب توبہ کرو تو پھر قبولیت میں شک نہ کرو۔ کیونکہ جب بندا اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے توبہ کرتا ہے اللہ اسکی توبہ ضرور قبول فرماتا ہے۔

حدیث کی روشنی میں توبہ کی فضیلت

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

'' اللہ رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن میں کسی نے کوئی گناہ کیا ہو وہ رات میں اللہ کی طرف پلٹ آئے اور وہ دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ اگر رات میں کسی نے گناہ کیا ہو

تو وہ دن میں اپنے رب کی طرف پلٹے اور اپنے گناہوں کی
معافی چاہے" (مسلم)

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پھیلانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے خطا کار بندے کو بلاتا ہے کہ میری طرف آؤ میری رحمت تجھے اپنے دامن میں لینے کے لیے تیار ہے۔

جناب رسالتمآب ﷺ نے فرمایا:

"ہر بدی کے بعد نیکی کرتا کہ اس بدی کو محو کر دے۔ اگر تم
اتنے گناہ کر لو کہ آسمان تک پہنچ جائیں۔ اس کے بعد صدقِ
دل سے توبہ کر لو تو بھی قبول ہو جائے گی۔

فرمایا: نیکیاں گناہوں کو اس طرح مٹا دیتی ہیں جس طرح پانی کپڑے کے میل کو صاف کر دیتا ہے۔

فرمایا: جب بندہ کوئی گناہ کرے پھر اُٹھ کر وضو کرے اور اپنے گناہ پر استغفار کرتے ہوئے اللہ سے بخشش چاہے تو پھر اللہ پر اس کے بخش دینے کا حق ہو جاتا ہے۔

فرمایا: ابلیس جب ملعون ہوا تو عرض کرنے لگا اے اللہ مجھے قسم ہے تیری عزت و جلال کی جب تک آدمی کی جان اس کے بدن میں ہے میں بھی اس کے دل میں رہونگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"مجھے بھی قسم ہے اپنے عزت و جلال کی جب تک اسکے بدن
میں سے جان نہ نکل جائے گی میں بھی اس کے لیے توبہ کا
دروازہ بند نہ کرونگا۔" (مسلم و بخاری)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص یہ پڑھے "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا
هُوَالْحَیُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ "اس کے تمام گناہ معاف کر

دیئے جائیں گے اگرچہ یہ گناہ مقدار میں سمندر کی جھاگ
کے برابر ہوں۔ (غنیۃ الطالبین)

استغفار کی حد

توبہ کرنا ہر شخص کے حق میں فرضِ عین ہے کیونکہ کوئی شخص بھی ہاتھ پاؤں کے گناہوں سے خالی نہیں۔ اس لیے ہر شخص توبہ کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو معصوم بنایا مگر اس معصومیت کے باوجود سب سے زیادہ توبہ استغفار کرنے والے یہی لوگ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کے سب سے بڑے عالم و واقف بھی یہی لوگ ہوتے ہیں۔ چونکہ انبیاء کرام احکامِ الٰہی پر سب سے پہلے اور سب سے زیادہ عمل کرنے والے ہوتے ہیں اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اے لوگو! اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو اور اسکی طرف
پلٹ آؤ۔ مجھے دیکھو! میں دن میں سو سو بار اللہ سے مغفرت
کی دعا کرتا ہوں۔ (مسلم)

یہ توبہ اس ذاتِ گرامی کی ہے جس کو اللہ نے معصومیت عطا فرمائی اور جس کے سامنے گناہ یا خطا کا تصور بھی نہیں گزر سکتا۔ ایسی حالت میں ہم گنہگار بندے اگر ہر سانس پر توبہ استغفار کریں تب بھی اس کا حق ادا نہیں کر پاتے۔
بزرگان دین کا قول ہے:

اللہ تعالیٰ کے حقوق اس سے بڑھ کر ہیں کہ بندہ ان پر قائم
رہ سکے لیکن صبح کو توبہ کے ساتھ اُٹھنا اور شام کو توبہ کے ساتھ
سونا اکسیر ہے۔

شرائطِ توبہ

توبہ کی تین شرطیں ہیں۔
پہلی شرط احکام الٰہی کے خلاف اعمال پر شرمندگی و ندامت ہے۔ حضور

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''پشیمانی و ندامت ہی توبہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس بندے کو گناہ پر نادم جانتا ہے اسے بخشش مانگنے سے پہلے ہی بخش دیتا ہے''۔

صحیح ندامت و پشمانی کی پہچان یہ ہے کہ دل میں رقت پیدا ہو اور کثرت سے اپنے گناہوں پر آنسو بہائے جائیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ہر آن ہر گھڑی گناہوں سے باز رہا جائے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ گناہوں اور خطاؤں کا دوبارہ ارتکاب نہ کرے جس طرح پہلے مرتکب ہوا۔ دل میں پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ ایسے گناہوں سے پرہیز کروں گا۔

توبہ استغفار کی بڑی فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر وقت اسکے قبول کرنے کو تیار رہتا ہے۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ توبہ استغفار صدق دل سے اس عزم کے ساتھ ہو کہ پھر کبھی وہ گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ صرف زبان سے توبہ دل میں گناہ سے نفرت اور اسکے چھوڑنے کا ارادہ نہ ہو تو ایسی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا توبہ کرنے والوں کو سب سے پہلے اپنے گناہوں پر نادم و شرمندہ ہونا چاہیے اور پھر پورے عزم و ہمت سے پختہ ارادہ کرنا چاہیے کہ آئندہ گناہ سے بچنے کی پوری کوشش کرے گا۔ ایسی ہی سچی توبہ اللہ کے نزدیک شرف و قبولیت حاصل کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

توبہ پر اللہ کی خوشی

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے فرمایا نبی کریم ﷺ نے:

بندہ گناہ کرنے کے بعد معافی مانگنے کے لیے جب اللہ کی طرف پلٹتا ہے تو اللہ کو اپنے بندے کے پلٹنے پر اس شخص کے مقابلے میں زیادہ خوشی ہوتی ہے

جس نے اپنی اونٹنی ،جس پر اس کی زندگی کا دارومدار تھا کسی بیابان میں کھودی پھر اس نے اچانک اسے پا لیا ہوتو وہ اس اونٹنی کو پا کر جتنا خوش ہوتا ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے ہی آدمی کے توبہ کرنے پر اللہ خوش ہوتا ہے بلکہ خدا کی خوشی اس کے مقابلے میں زیادہ بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ رحم و کرم کا سرچشمہ ہے۔ (مسلم و بخاری)

روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بڑا گنہگار تھا۔اس نے توبہ کرنی چاہی مگر یہ معلوم نہ تھا کہ توبہ قبول ہوگی کہ نہیں۔لوگوں نے ایک عابد کا پتہ بتایا یہ شخص عابد کے پاس پہنچا اور کہا میں بڑا گنہگار ہوں ننانویں آدمیوں کا بلاوجہ قتل کر چکا ہوں کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟ عابد نے کہا نہیں اس شخص نے عابد کو قتل کر کے سو کا عدد پورا کر دیا۔

لوگوں نے پھر ایک عالم کا پتہ بتایا۔ اس عالم سے پوچھا تو اس نے کہا تمہاری توبہ ضرور قبول ہوگی مگر شرط یہ ہے کہ اپنی زمین سے نکل جاؤ کہ یہ فساد کی جگہ ہے اور فلاں جگہ چلے جاؤ کہ وہاں صالح لوگ رہتے ہیں۔ چنانچہ وہ شخص صالح لوگوں کی طرف چلا،مگر رستے میں مرگیا۔رحمت و عذاب کے فرشتوں میں اختلاف پڑ گیا ہر ایک نے کہا اس پر ہمارا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا اسکی زمین ناپو۔ زمین جو ناپی گئی تو وہ صالح لوگوں کی طرف بالشت بھر بڑھ چکا تھا۔ پس رحمت کے فرشتے اس کی روح لے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نجات کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ گناہوں کا پلہ بالکل خالی ہو بلکہ نیکی کا پلہ بھاری ہونا چاہیے۔ اگر تھوڑا سا ہی جھکا ہوتو انشاء اللہ نجات ہو جائے گی۔